پروفیسر احمد رفیق اختر

اسلامی ثقافت کا فروغ کیونکر

سوالات و جوابات

روگردانی کا نتیجہ

سوال: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "جب کوئی ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے، تو ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں۔ اس ذکر سے کیا مراد ہے؟

جواب: اسی قسم کی ایک اور آیت بھی ہے کہ ہم نے ظالم قوموں کو اس وقت پکڑا، جب وہ اپنی معیشت پر اترا رہے تھے۔ بظاہر یہ لگتا ہے کہ یہ ایک قسم کا تضاد ہے، لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب قوموں نے غیر معمولی معاشی اور مادی ترقی کی، تو انھوں نے یہ سمجھا کہ وہ ایک اعلیٰ ترین دنیاوی معیار پر پہنچ گئے ہیں لیکن اللہ کہتا ہے ہم نے اس وقت ان کو پکڑ لیا۔ یہی بات شمرین اور کسیڈ نیز قوم بابل کے ساتھ گزری۔ یعنی جب وہ اپنی ترقی کی انتہا کو پہنچے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دم سے ایسے پکڑا کہ ان کی معیشت کے وہ تمام فوائد منسوخ ہو گئے اور وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔

اب سوال یہ ہے کہ خداوند کریم یہ کہتا ہے کہ جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے، ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں۔ یہاں اگر آپ غور کریں، تو ایک ذمہ داری کا تعین کیا گیا ہے اور یہ ذمہ داری خدا کی یاد، خدا کی محبت اور خدا کی شناخت ہے۔ ایک وہ معاشرہ ہے، جو خدا کے بغیر چلتا ہے اور معیشت کی ترقی حاصل کرتا ہے۔ جیسے یورپ میں ہے اور دوسرا وہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غریب لوگوں کی ناگفتہ بہ حالت کو دیکھا، تو اس پر اظہار تاسف کیا۔ بلکہ ایک کمزور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ شدید گلہ بھی کیا کہ اے اللہ کفار کے گھر اور بازار اشیاء مال سے بھرے پڑے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے دو وقت کی روٹی بھی نہیں ہے، تو خداوند کریم نے قرآن حکیم میں ایک آیت اتاری کہ اے پیغمبر ایک مصلحت مانع نہ ہو، تو میں ان اہل کفر کے در و دیوار اور ان کی سیڑھیاں سونے چاندی کی کر دوں۔

لہٰذا بات یہ ہے کہ جو قوم خدا کے بغیر ترقی کرتی ہے، وہ انڈر مکینیکل لاز اور یونیورسل لاز آگے بڑھتی ہے۔ ان کی صداقت، دیانت اور محنت کے ثمرات ان کو ترقی کی طرف لے جاتے ہیں، مگر ساتھ ساتھ ان کے انحطاط بھی بڑھتے رہتے ہیں۔ جیسے ابھی آپ مغربی اقوام کو دیکھتے ہیں کہ وہ از حد محنت، خلوص اور احساس ذمہ داری سے آگے بڑھ رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے تمام اخلاقی پہلو کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔ سیکولرازم اور ڈیموکریسی کے دوسرے منفی نتائج بھی سامنے آ رہے ہیں کہ پورے کا پورا اخلاقی اور خاندانی نظام ٹوٹتا جا رہا ہے۔ رفتہ رفتہ زمان و مکاں میں جو منفی پہلو ہیں، وہ اتنے بڑھتے جائیں گے کہ کسی کو یورپی تمدن کو توڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جیسے ایک بہت بڑے یورپی تجزیہ نگار کا کہنا ہے کہ تمام مغربی معاشرہ آخری مورون رویہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ان کی صلاحیتیں چونکہ صرف دنیاوی مقاصد تک محدود ہیں، اس لیے ان کے ذہن میں جلا اور ندرت نہیں آ رہی ہے۔ سو ان کا معاشرہ زوال پر آمادہ ہے۔ مگر مسلمان جو اللہ کا بندہ ہے، اس پر نفاق اور نفرت دونوں چارج لگتے ہیں۔

لہٰذا اس آیت کے مطابق جو بھی اللہ کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے، اللہ اس کو اپنے نظام اور طریقے کے مطابق احساس دلاتا ہے اور یہ اللہ کا طریقہ اس کی معیشت کی کمزوری اور اس کے دیگر نقصانات بھی ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی صورتوں میں اپنے بندے کو جو اچھی بھلی زندگی گزار رہا ہوتا ہے، مختلف حادثات سے دو چار کرتا ہے، تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے۔ ورنہ از خود شاید انسان میں یہ صلاحیت نہیں رہ جاتی کہ وہ اپنے مزاج، بری عادت یا بری خصلت سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ اس بری خصلت اور عادت سے نجات پانے کے لئے کسی صدمے یا حادثہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ ذکر سے روگردانی اور اللہ کی یاد سے روگردانی اس کمٹمنٹ سے روگردانی ہے، جو مسلمان نے اللہ سے لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ کی صورت میں کی ہوتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ شخص جو خدا سے غافل ہوتا ہے، اس کا ذہن اللہ سے سکون اور طمانیت پا رہا ہوتا ہے۔

اس کے مقابلے میں جب وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتا ہے، تو قرآن حکیم میں اللہ میاں نے کہا وَ مَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ (الزخرف: آیت 36) جب وہ رحمٰن کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، تو ہم اس پر ایک شیطان کو غلبہ دے دیتے ہیں، جو اس کے قریب رہتا ہے اور اسے اپنے ساتھ دوڑائے رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی شہوات اور خواہشات کے غلبے میں ایسی فاش غلطیاں کرتا ہے، جو اسے بڑے بڑے نقصانات کی طرف لے جاتی ہیں۔ جیسے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ''بخیل ساری عمر پیسہ روکتا ہے، بچتیں کرتا ہے مگر عمر آخر میں اس سے کوئی ایسی بڑی غلطی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے مال سے محروم کر دیا جاتا ہے''۔ یہاں وہ مسلمان مراد ہے، جس نے سب کچھ اللہ کے فضل و کرم اور اس کی عطا کردہ نعمتوں سے حاصل کیا۔ مگر وہ اللہ کا شکر گزار ہونے کے بجائے اللہ سے روگردانی کر گیا۔ پھر خدا کا اس پر زیادہ حق بنتا ہے کہ اسے ان نعمتوں اور فراخیوں سے محروم کر دے۔

اسلامی ثقافت کا فروغ کیونکر

سوال: اسلامی ثقافت کے فروغ کے سلسلے میں انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی سطح پر کن اقدامات کی ضرورت ہے؟

جواب: اسلامی ثقافت کے فروغ کے سلسلے میں اقدامات کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ بنیادی طور پر پوری قوم کو اپنی اپروچ بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہم کسی قسم کا تاثر یورپی اقوام پر نہیں چھوڑتے۔ ہم میں سے جو بہترین اور بڑا پڑھا لکھا ہوتا ہے، اس کا تشخص بحیثیت ایک مسلمان نہیں ابھرتا، جو اسلام کی نمائندگی کر رہا ہو، بلکہ بحیثیت ایک ذہین نوجوان آدمی کے ابھرتا ہے۔ مثال کے طور

پر یورپ میں جا کر ہمیں اپنی قدریں تبدیل کرنی پڑتی ہیں۔ مگر قدروں کی تبدیلی کے ساتھ ہماری شخصیت کوئی ایسا تاثر پیش نہیں کرتی، جس سے ان کو احساس ہو کہ ہم دیانت دار، صاف ستھرے اور باکردار ہیں اور ساتھ ساتھ ہم مسلمان بھی ہیں۔

انسان شتر بے مہار کیوں

سوال: آپ نے اپنے لیکچر میں تقلید کی ممانعت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اب گلوبل ولیج کے اندر کسی ایک مکتبۂ فکر میں خود کو پابند نہیں کرنا چاہیے۔ ایسے حالات میں جبکہ اکثر لوگ کماحقہٗ اسلامی علوم سے آگاہ نہیں ہیں، ان کو بے مہار کس طرح چھوڑا جاسکتا ہے؟

جواب: یہ جو چار آئمہ ہیں، انہوں نے جو ہمیں مسائل کے حل دیئے ہیں، وہ قرآن وحدیث کے ریفرنس سے دیئے ہیں۔ بنیادی طور پر مجھے امام اعظم بہت پسند ہیں۔ بہت اعلیٰ ذہین ہیں۔ بڑی فراست ہے۔ مسائل کا ادراک بہت اچھا ہے۔ آج کے زمانے میں بھی جدید ترین مفکر لگتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ آپ نے تین طلاق کے مسئلے کو فائنل قرار دیا۔ حنفی ہونے کے باوجود میں ان سے اتفاق نہیں کرسکتا۔

کیوں نہیں کرسکتا کہ لوگوں کے پاس مسائل کا علم نہیں ہے۔ عائلی زندگیاں بہت برباد ہوچکی ہیں۔ اب ہمارے پاس انہیں کسی قسم کی رعایت دینے کی گنجائش ہو اور رعایت بخاری اور مسلم میں یہ موجود ہے۔ ایک حدیث بہت عجیب فقہی مسئلہ پیدا کرتی ہے۔ ابن صحبہ ابن عباس کے پاس گئے اور سوال پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تین طلاق ایک نہ سمجھی جاتی تھی؟ فرمایا، ہاں ایسا ہی تھا۔ پھر ابن صحبہ نے پوچھا، کیا سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں تین طلاق ایک نہ سمجھی جاتی تھی؟ فرمایا، ہاں ایسا ہی تھا۔ پھر فرمایا، کیا سیدنا عمر بن خطابؓ کے زمانے میں تین طلاق ایک نہ سمجھی جاتی تھی؟ فرمایا ہاں ایسا ہی تھا۔ لیکن جب لوگ کثرت سے طلاق دینا شروع ہوگئے، تو عمر بن خطابؓ نے تین طلاقوں کو آخری قرار دے دیا۔ اب یہ پورے مسئلے پر اپروچ ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس وقت اس مسئلے کو اٹھایا، جب فوجیں ممالک محروسہ میں کثرت سے داخل ہورہی تھیں اور کثرت سے لونڈیاں مسلمانوں کے ممالک میں آرہی تھیں۔ اس وقت جنسی زندگی جو عربوں پر بہت زیادہ چھائی ہوئی تھی اور لوگ بات بات پہ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے۔ جب ادھر سے کچھ خواہشات پوری ہوجاتیں، تو پھر اپنی بیویوں سے مصالحت کے لئے پلٹتے تھے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے یہ معاملات دیکھے، تو کہا، میں اس طرح تمہیں نہیں کرنے دوں گا۔ اس طرح تم نے طلاق کو مذاق بنالیا ہے۔ تین طلاقوں کو انہوں نے فائنل قرار دے دیا۔ حضرت ابو حنیفہ کے زمانے میں ٹھیک یہی سماجی صورتحال جاری تھی۔ اس لئے جب ان تک مسئلہ آیا، تو انھوں نے بھی اسی کو فائنل قرار دیا۔ مگر جب آج کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں تو اتنا مذہبی شعور کسی مسلمان میں باقی نہیں ہے کہ وہ اپنی کیفیت کا فوری تجزیہ کرسکے۔ اس کے پاس یہ بھی علم نہیں ہے کہ میں اگر تین مرتبہ کہہ دوں، تو کیا ہوتا ہے۔

اب باقی تین آئمہ حسبِ دستور رائے دیتے ہیں کہ ایک وقت کہی گئی کتنی بھی طلاق ہوگی، ایک سمجھی جائے گی۔ فرض کیجیے، آپ اہلسنت والجماعت ہیں اور بات کرتے ہیں کہ ہمارے چار آئمہ ہیں۔ مگر تعصب کا یہ عالم ہے کہ اس سلسلے میں کبھی دوسری گنجائش قبول نہیں کرتے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو جو رعایت ملے گی، وہ بھی مذہب سے ملے گی۔ میری خواہش سے نہیں ملے گی۔ آپ نے یہاں جملہ لکھا ہے کہ جہاں اپنی پسند کا مسئلہ مل جائے، وہ اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارے گا۔ یقیناً اگر مجھے میرے ہی کسی مذہبی شعور سے ایک ایسا حل مل جائے، جس میں، میں انتہائی پیچیدگی میں ملوث ہوں، تو یقیناً میں ایسا ہی کروں گا۔

ایک اور مسئلے کو دیکھئے۔ یہ بہت اہم بات ہے کہ کتاب الھدٰی یہ نکاح پہ کھلتی ہے اور پہلا اس کا جملہ باب نکاح کا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز ہے۔ اب ہم دوسرے اساتذہ کی آراء دیکھتے ہیں۔ ابن کثیر نے بیان دیا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح زنا ہے۔ جب آپ یہاں دیکھتے ہیں، تو آپ کا دل کہتا ہے کہ ابوحنیفہ صحیح کہتے ہیں۔ اس لیے کہ جوں جوں معیشت اور معاشرت آگے بڑھ رہی ہے، لڑکوں کی تعلیم کم ہورہی ہے۔ لڑکیاں بے حد خلوص سے محنت کر رہی ہیں۔ پڑھ رہی ہیں۔ پی ایچ ڈی کررہی ہیں، ایم اے کررہی ہیں۔ اب ان کے ولی ایک ایم اے پاس لڑکی کو کسی گلی ڈنڈا کھیلنے والے ایک لڑکے یا مزدور کے ساتھ بیاہ دینا چاہتے ہیں۔ لڑکی روایت سے مجبور ہے۔ جبراً وقہراً وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ وہ اپنے خیال میں ایک معقول آدمی کو چنتی ہے، جو اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کی ذمہ داری اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ آدمی بھی تیار ہے۔ یہاں اولیاء نہیں مانتے، وہاں وہ نہیں مانتی۔ ایسی صورت میں تمام تر انتخاب اللہ نے لڑکی کو دے دیا ہے۔

ابوحنیفہ نے استنباط کیا کہ خدا کہیں بھی اپنی کتاب حکیم میں اولیاء کو خطاب نہیں کرتا۔ بلکہ جہاں بھی بات کرتا ہے، براہ راست عورت سے کرتا ہے۔ یہاں ہمیں ابوحنیفہ اس دور کے مسائل کے لحاظ سے بہترین لگتے ہیں۔ آج کے دور کے مسائل کا حل یہی لگتا ہے کہ ایک خاتون اور ایک مرد اگر معقول ہوں۔ عمر کا تعین ہو، ایک دوسرے کے لئے مددگار ہوں۔ لہٰذا اگر وہ چاہیں، تو اپنے انتخاب کی حمایت میں اس انتخاب کو رد کرسکتے ہیں، جو زبردستی ان پہ ٹھونسے جاتے ہیں۔ مگر ان کے حل کے لئے قرآن فیصل ہے۔ تمام فقہ قرآن کی اس ایک آیت کی تفسیر ہے کہ طٰہٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى " (سورۃ طٰہٰ: آیت 1) "ہم نے قرآن کو مشقت کے لئے نہیں اتارا" اب جو فقیہہ قرآنی مفہوم کو شعوری طور پر انسانوں کے لئے سہل بنائے گا، وہ بڑا فقیہہ ہے۔ اس زمانے میں ابوحنیفہؒ کی مقبولیت کا ایک راز یہ تھا کہ انہوں نے قرآن کو لوگوں کے لئے سہل بنایا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک آدمی سیڑھی پر چڑھا ہوا تھا۔ نیچے اس کی بیوی کھڑی تھی۔ اس کو طیش آگیا۔ اس نے کہا کہ اگر میں سیڑھی سے ایک قدم نیچے آؤں، تو تجھے طلاق ہو۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے یہ خیال آیا کہ وہ کیا کہہ بیٹھا ہے۔

اب وہ سیڑھی پر ٹنگا ہوا ہے۔ بیوی نیچے غل مچا رہی ہے۔ اس نے اب نیچے اترتا ہے، تو طلاق ہے اور اوپر وہ جا نہیں سکتا۔ کہاں تک جائے گا۔ ابوسفیان سوری کے پاس یہ مسئلہ چلا گیا۔ آپ آئے، دیکھا، کہا، طلاق مطلق ہوگئی۔ کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ طلاق بچ سکے۔ لوگ بھاگے بھاگے ابوحنیفہ کے پاس گئے۔ انھوں نے فرمایا، مجھے وہاں لے چلو۔ انھوں نے اس شخص سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا تھا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ سیڑھی سے نیچے اترے، تو اس کی بیوی کو طلاق ہو۔ انھوں نے کہا اچھا ایسا کرو کہ ایک سیڑھی اور لے آؤ، وہ اس سیڑھی کے برابر میں رکھو اور اس سے کہو کہ اس سیڑھی سے بالکل سیدھا دوسری سیڑھی پر آکے نیچے اتر آئے۔ اس طرح شرط ختم ہوگئی۔ یہ عیاری نہیں ہے۔ آپ کے نزدیک شاید یہ عیاری ہو اور ایک سخت گیر مولوی بھی کہے کہ ادھر یا اُدھر سے آؤ، طلاق ہوگئی ہے۔ مگر ابو حنیفہ نے معاملے کو بچالیا۔

کیوں بچالیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ قرآن ان باتوں کو ہوا دیتا ہے۔ آیئے دیکھئے، قرآن کیا کہتا ہے۔ ایوب نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو سو دُروں سے مارے گا لیکن بعد میں افسوس ہوا کہ اس دنیا میں اگر کسی نے میری خدمت کی ہے، مجھ سے محبت کی ہے، تو وہ میری بیوی ہے۔ قسم بھی پوری کرنی ہے، تو اللہ نے کہا، ایوب ایسا کر کہ سو تنکے لے اور ان کو ایک جگہ باندھ اور آہستہ سے ایک دفعہ بیوی کو مار لے۔ قسم پوری ہوجائے گی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ماشاءاللہ، اللہ نے جب اپنی پسند کا مسئلہ ٹھیک کرنا چاہا، تو کتنی آسانی

سے کر دیا۔

بات یہ ہے کہ قانون انسان کی فلاح، بہتری اور نرمی کیلئے ہوتا ہے۔ آپ غلط سمجھتے ہیں کہ قانون سزا کیلئے ہے۔ قانون آپ کو محفوظ ایریا سے خطرناک ایریا کی طرف جانے سے روکتا ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ وثواب اللہ پر اثر رکھتے ہیں، تو قطعاً نہیں رکھتے۔ آپ بار بار قرآن پڑھ جائیں، اللہ کہتا ہے کہ تمہاری نیکیوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں۔ یہ ہم سوچتے ہیں کہ یا اللہ میری نیکی کا تجھ پہ کوئی اثر نہیں، تو پھر میں جھک مار رہا ہوں۔ ہر کسی کو خوش کر رہا ہوں۔ کہتا ہے، تمہاری نیکی تمہارے لئے تمہاری برائی تمہارے لئے ہے۔ تو پھر اللہ نے ہم سے کیا لینا ہے؟ کیا آپ کو عجیب نہیں لگتا کہ میری نیکی میرے لئے، میری برائی میرے لئے، تو پھر اللہ نے تخلیق انسان سے کیا مقصد حاصل کرنا ہے؟

درحقیقت وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ گناہ وثواب نتائج ہیں۔ میں نے تمہیں ایک ایریا دے دی، یا جسے آپ ثواب کہتے ہیں۔ یہ محفوظ ایریا ہے۔ اس محفوظ ایریا کے باہر بتیاں لگی ہوئی ہیں۔ اِدھر لگا ہوا ہے زنا، اُدھر چوری کہ دیکھو بھائیو! اگر اس ایریا سے باہر نکلو گے، تو خطرات میں چلے جاؤ گے۔ تم اس بھیڑ کی طرح ہو، جو ریوڑ کے کنارے چلتی ہے اور شیطان کسی وقت اسے اچک کے لے جائے گا۔ یہ ایریا محفوظ ہے۔ اگر خدانخواستہ اس محفوظ ایریا سے تم نکل کر گناہ اور خطرے کے ایریا میں چلے جاؤ، تو گویان وہ بھول بھلیاں میں داخل ہوا اور کھو گیا۔

میں قطعاً یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنی خواہشات سے مسائل کو حل کریں۔ آئمہ اور فقہا نے بڑے غور وخوض کے بعد فیصلے دیئے ہیں۔ وہ اسلامی قانون کے ماہر تھے۔ اگر انہوں نے آپ کے لئے کچھ گنجائشیں پیدا کی ہیں، تو آج کے دور کی معیشت، معاشرت اور آج کی تعداد یہ تقاضا کرتی ہے کہ جہاں سے بھی ہمیں آسانی ملے، ہم اللہ کے شکر کے طور پر اسے قبول کریں۔ ایک شخص ہے، جو سفر میں پوری نماز پڑھتا ہے اور ایک شخص اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور قصر پڑھتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے، اللہ شکر کرنے والے کو قبول کرے گا یا اس متکبر کو قبول کرے گا، جو اللہ ہی سے رعایت نہیں لیتا۔

اسلامی کلچر کا مسخ شدہ چہرہ

سوال: آپ نے دور جدید میں اسلامی کلچر کے نہ ہونے کی بہت سی وجوہات بیان کی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ موجودہ نظام کا قصور ہے۔ اگر ایسا ہے، تو اسلامی کلچر کے اس سسٹم کو صحیح کرنے کے لئے نقطہ آغاز کیا ہوگا؟

جواب: میرے خیال میں سب سے مظلوم فلسفہ جو دور حاضر میں جا رہا ہے، وہ اسلام ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تمام سسٹم پورے پورے وارد ہوتے ہیں۔ صرف اسلام ایک ایسا سسٹم ہے جو ہمیشہ بائی پارٹس آتا ہے، ایک ایک کر کے۔ اب آپ دیکھئے سوشلزم، کیمونزم پورا پورا آیا۔ سیکولرزم پورا پورا آیا، مگر اسلام کی ٹریجڈی یہ ہے کہ ایک اصول لیا۔ اس کو آپ نے قانون بنا لیا۔ اب وہ قانون جو ہے، وہ متحارب قوانین کے جمگھٹے میں ہے۔ جیسے کوئی شیر جو افریقن بدنسل کتوں کے چنگل میں آ گیا، تو وہ شیر کو بھی چیر پھاڑ دیتے ہیں۔ ایک اسلامی قانون سینکڑوں سیکولر قوانین میں چلا جاتا ہے اور پھر ہمیں کہا جاتا ہے کہ دیکھو ہم نے اسلام عائد کیا تھا، کامیاب نہیں ہوا۔

دوسری طرف دیکھئے کہ اسلامی قوانین کے نافذ کرنے والے اور اس کو آگے بڑھانے والے اتنے بے لچک ہیں کہ سیکولرزم ان کے خلاف بڑی نفاست سے پراپیگنڈہ کرتا چلا جاتا ہے کہ اگر ان مسلمانوں نے آنا ہے، تو کیا ہم ان سے بہتر نہیں ہیں؟ اگر ان نے اسلام دینا ہے، تو کیا ہم اس سے بہتر نہیں دے سکتے؟ نتیجہ یہ ہے کہ اسلام اس بدنصیب مسلک کی طرح ہے، جس کو کسی زمانے میں کوئی موزوں ومتناسب ماحول نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے سختی سے فرمایا ہے کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرۃ:208) اے لوگو اگر اسلام میں داخل ہونا ہے، تو پورے پورے ہو جاؤ۔ جزوی طور پر اسلام نہ لاؤ۔ جزوی طور پر دنیا کا کوئی سسٹم نہیں چل سکتا۔ فی السلم کافۃ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک سسٹم ہے۔ اس میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

جب آپ مذہب کو جائیں گے، تو تمام مخالف مذہب نظام شیطان کے ہوں گے۔ یہ آیت نشاندہی کر رہی ہے کہ جب آپ اسلام کو جائیں گے، تو تمام اسلام مخالف نظام شیطانی ہیں۔ سیکولرازم ہو یا ڈیموکریسی، کوئی چیز بھی ہو، وہ شیطانی سسٹم ہے۔ مگر کیسے؟ وہ اس لئے شیطانی سسٹم ہے کہ ایک تو اپنی افادیت کو ثابت کر رہے ہیں اور دوسرے آپ کے مفرد قانون کو ناکام ثابت کر رہے ہیں۔ یہ اللہ کے قانون کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اسلام ایک اعلیٰ ترین قدر و قیمت کی حیثیت کا مذہب ہے۔ آپ اسے لائیے، اسے نافذ کیجئے۔ اس کے بعد اگر وہ فیل ہو جائے، تو اسے ہمیشہ کے لئے ترک کر دیجئے۔ اسلام کے حوالے سے مجرم کے ہاتھ کاٹنے پر بڑا اعتراض ہے۔ سزاؤں کے متعلق بہت شور ہے لیکن یورپ میں مجرموں کی اصلاح کے لئے جیلوں کے اندر نفسیاتی اصلاح کے گھر بنا دیتے ہیں۔ اصلاح ہو رہی ہے۔ جواز مہیا کئے جا رہے ہیں۔

پچیس سال کے بعد موت کی سزا معطل کر دی گئی ہے، جسے مفکرین نے ظالمانہ اقدام قرار دیا تھا اور بدقسمتی سے کہا جاتا ہے کہ یہ اسلامی سزائیں ظالمانہ ہیں۔ انسان کو کہا گیا ہے، سوچو، غور کرو اور اپنی اصلاح کرو۔ اپنے اعمال کو درست کرو۔ انہوں نے سسٹم دیئے، لیکن پچیس سال کے بعد بالآخر نیویارک کے کونسل آف میئرز نے دوبارہ موت کی سزا نافذ کر دی۔ وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ انھوں نے اس عرصے میں جتنے بھی سسٹم موت کی سزا کے خلاف کئے تھے یا جتنے بھی انسان دوستی کے کانسپٹ متعارف کرائے تھے، وہ ورک نہیں کرتے۔ قتل وغارت بڑھ گئی۔ ظلم وستم بڑھ گیا اور اس معاشرے میں ظلم وستم چوری چکاری اس قدر ہے کہ جب میں سڑک پہ جا رہا ہوتا تھا، تو ہر کوئی پیچھے دیکھ رہا ہوتا تھا۔ مجھے بھی پیچھے دیکھنے کی عادت پڑ گئی۔ پھر میں نے اس کا تجزیہ کیا کہ باقی بھی پیچھے دیکھ رہے ہیں۔ میں نے سوچا، باقی کیوں پیچھے دیکھ رہے ہیں، تو پتا لگا کہ ہر وقت ہر کسی کو چھری چاقو کا ڈر ہے۔ یعنی اس معاشرے میں اس قدر خوف ہے کہ سڑک پر خوف اور وحشت کے بغیر چلنا دشوار ہے۔ چنانچہ ان کے لئے اور کوئی آپشن نہیں بچا کہ وہ سزائے موت کو دوبارہ بحال کر دیں۔

ہم یورپ کے دانشوروں کو کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ آپ ایک انسانی رویہ رکھتے ہیں۔ ہمیں بتائیں کہ تم نے سزائے موت کے خلاف کیا کیا، کیا دریافت کیا اور کیا حل نکالا؟

اس وقت دنیا میں سب سے بڑا جرائم کا تناسب نیویارک میں ہے۔ اتنی بڑی سیکولر ڈیموکریسی، اتنا بڑا انسانی رویہ کہ ایک چوہے کو بھوکا مرنے نہیں دیتے، لیکن ان کے ہاں دنیا بھر کا سب سے زیادہ کرائم ریٹ ہے۔ اتنے زیادہ کرائم ریٹ کے باوجود انسان دوستی۔ چونکہ اس معاشرے میں ایک مکمل سسٹم ہے۔ اس لئے کہیں نہ کہیں اس سسٹم کی خوبیاں بھی موجود ہیں اور اس کی خوبیاں اس کی برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جب کوئی برا کام کرو، تو ساتھ اچھا کام کرو۔ تیری اچھائی تیری برائی کو سمیٹ لے گی۔ سو ان کے سسٹم میں انصاف، برداشت اور برابری ایسی خوبیاں ہیں، جو بڑے سے بڑے کرائم کو کھا جاتی ہیں۔ آپ اسلام کا ایک قانون لاتے ہیں، لیکن باقی اردگرد کے معاون قوانین اسے ناکام کر دیتے ہیں۔ وہ ایک یتیم کی طرح بے چارگی میں ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ پھر خود ہی اسلامی قانون کہتا ہے کہ میں ناکام ہوا۔ میری جان چھوڑو اور میری جگہ کوئی سیکولر قانون لے آؤ۔ یہ ہماری کمزوری کی وجہ ہے۔

■■